حالات ومقامات

جناب عبدالہادی احمد صاحب

(۱) لیبیا

لیبیا پر حملہ کر کے امریکہ نے بین الاقوامی غنڈہ گردی کی شرمناک مثال پیش کی ہے۔ یہ پہلا موقع ہے کہ امریکہ نے سرزمینِ اسلام پر براہ راست جارحیت کی ہے۔ اِس سے پہلے وہ اس مقصد کے لیے اپنے پالتو ایجنٹ یہودیوں کو استعمال کرتا چلا آیا ہے۔ لیبیا پر حملے میں صدر امریکہ نے بحیرۂ رُوم میں موجود اپنے بحری بیڑوں کے علاوہ اتحادی مُلک برطانیہ کے ہوائی اڈے بھی استعمال کیے اور اپنے عالمی جرم کو جائز ثابت کرنے کے لیے مغربی جرمنی، برطانیہ اور کینیڈا سے بھرپور تائید بھی حاصل کی ـــــ یوں تیس لاکھ آبادی کے ایک چھوٹے سے مُلک کے خلاف امریکہ نے پوری صلیبی قوتوں کو منظّم کر کے میدان میں اُتارا۔

۲۴ مارچ کو خلیج سدرہ میں لیبیا کے جہازوں پر حملہ امریکی جارحیت کا نقطۂ آغاز تھا۔ اِس حملے کے اختتام پر صدر ریگن نے اعلان کیا تھا کہ اگر روم اور وی آنا کے ہوائی اڈوں پر ہونے والے واقعات میں لیبیا کا ملوّث ہونا ثابت ہو گیا، تو امریکہ دوبارہ حملہ کرے گا۔ گویا پہلے صرف جرم کے شبہے میں سزا دی گئی اور دوبارہ جرم ثابت ہونے پر ـــــ اس کے بعد صدر ریگن نے کرنل قذافی پر غصّے سے دانت پیستے ہوئے انہیں "مشرق وسطیٰ کا پاگل کتّا" قرار دیا۔ اُن کے ایک سینیر معاون نے اپنے صدر کی تائید کرتے ہوئے کہا:

"ہمیں اچھی طرح معلوم ہے کہ پاگل کتّوں سے کیا سلوک کیا جاتا ہے"۔

اس کے بعد مبصرین کو یقین ہو چلا تھا کہ اب لیبیا پر مزید حملے ہوں گے، لیکن عام خیال یہ تھا کہ امریکی طیارے طرابلس اور بن غازی کی فوجی تنصیبات پر حملہ کریں گے۔ اس کے برعکس انہوں نے ان شہروں کے پرامن شہریوں پر بم برسائے۔ ۱۵ اپریل کی صبح طرابلس کے کوچہ و بازار بے گناہوں کے لہو سے لالہ زار بن گئے۔ امریکہ کے بہادر "کاؤ بوائے" نے "دہشت گردوں" کے گناہوں کا بدلہ ۱۶ ماہ کی معصوم بچی حنا سے لیا۔ سینکڑوں بوڑھوں، عورتوں اور بچوں کو شہید کر دیا گیا اور ہزاروں بے قصور شہریوں کو گھروں سے بے گھر۔ یوں امریکی صدر کا غصہ کچھ کم ہوا۔ اور وہ اپنے کارنامے کو "پہلا گھونسا" قرار دیتے ہوئے واپس لوٹے۔

دنیا بھر میں امریکی جارحیت کا شدید ردِ عمل ہوا۔ غیر جانب دار ممالک کی تنظیم اور اسلامی ممالک نے لیبیا سے یک جہتی کا اظہار کرتے ہوئے امریکی دہشت گردی کی مذمت کی۔ پاکستان میں سب سے پہلا احتجاج طلبہ کی ملک گیر تنظیم اسلامی جمعیت طلبہ نے کیا۔ وزیر اعظم محمد خان جونیجو نے امریکی حملے کو غیر قانونی اقدام کہا اور دوسرے سیاستدانوں نے احتجاجی بیانات دیئے۔ امیرِ جماعت اسلامی پاکستان میاں طفیل محمد نے اپنے ردِ عمل کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

> "امریکہ کا ایک سپر پاور ہونے کے زعم میں ایک چھوٹے ملک پر حملہ آور ہو جانا بدترین قسم کی جارحیت ہے، جس کی پوری دنیا کو اس طرح مذمت کرنی چاہیے جیسے افغانستان پر روسی حملے کی ہو رہی ہے"۔

امریکہ نے اپنے اقدام کے جواز کے طور پر کہا ہے کہ قذافی قاتلوں اور ڈاکوؤں کے سرگروہ اور دہشت گردوں کے سرپرست ہیں، دنیا بھر کی "دہشت گرد" اسلامی تحریکوں کو اقتصادی امداد اور عسکری تربیت لیبیا میں دی جاتی ہے، اس لیے امریکہ پر واجب ہے کہ وہ لیبیا کو سزا دے۔ ۱۵ اپریل کے امریکی حملے کا سبب برلن کے ایک ناچ گھر میں بم کا دھماکا بتایا جاتا ہے جس میں ایک ترک عورت اور ایک امریکی فوجی ہلاک ہوئے۔ اس واقعے کے ثبوت میں کہا گیا ہے کہ خلائی سیاروں سے مدد لی گئی ہے۔ خلائی سیاروں نے یہ

"رپورٹ" بھی دی ہے کہ مختلف طیاروں کے حادثات میں بھی قذافی کا ہاتھ تھا۔ قذافی کا ایک جرم یہ بھی بتایا گیا ہے کہ وہ لبنان میں مقدس مذہبی جنگ چھیڑنے کے لیے ایران کو دس کروڑ ڈالر فراہم کرے گا۔

صدر قذافی کو جھگڑالو، وحشی اور مذہبی جنونی کے روپ میں پیش کرنے کے لیے امریکہ نے پروپیگنڈے کے تمام وسائل جھونک رکھے ہیں۔ بین الاقوامی یہودی لابی جسے دنیا بھر میں ذرائع ابلاغ پر اجارہ حاصل ہے، دن رات لیبیا کے سربراہ کا کردار مسخ کر کے پیش کرنے میں لگی ہوئی ہے۔ اس پروپیگنڈے کے اثر سے امریکہ اور مغربی دنیا میں قذافی کا نام برائی کی علامت بن کر رہ گیا ہے۔ امریکی سینٹر ہوورڈ نے امریکیوں کی قذافی سے شدید نفرت کی نمائندگی کرتے ہوئے کہا:

"قذافی کو فوری طور پر قتل کر دینا چاہیے"

قذافی کو دق کرنے کے لیے صدر ریگن نے خلیج سدرہ میں اپنے بحری جہازوں کے بڑے بڑے جلوس نکالے، امریکہ میں لیبیا کے تمام مالیاتی اکاؤنٹ اور اثاثے منجمد کر دیے اور اپنے اتحادیوں سے بھی اقتصادی بائیکاٹ کے لیے کہا۔ یہ الگ بات ہے کہ سوائے جاپان کے یورپی برادری کے دوسرے ممالک اقتصادی بائیکاٹ اور لیبیا میں اپنے مالی فوائد سے دستبردار ہونے کے لیے آمادہ نہ ہوئے۔ ریگن نے امریکی تعمیراتی اور تجارتی کمپنیوں کو حکم دیا کہ وہ لیبیا سے فوری طور پر نکل جائیں اور اسے مالی نقصانات سے دوچار کرنے کی ہر ممکن کوشش کریں۔ اس کے نتیجے میں دوسرے نقصانات کے علاوہ لیبیا کو سب سے بڑا دھچکا یہ لگا کہ آب رسانی کا وہ عظیم منصوبہ نامکمل پڑا رہ گیا جس کا بنیادی کام دو امریکی کمپنیاں کر رہی تھیں۔ نو ارب ڈالر کے زرِ کثیر سے تعمیر ہونے والے اس عظیم مصنوعی دریا (GREAT MAN - MADE RIVER) کے ذریعے لیبیا جنوب کے آبی ذخائر کو شمال کی گنجان آبادی کے علاقوں تک پہنچانا چاہتا ہے۔ اس مقصد کے لیے دو ہزار کلومیٹر لمبی پائپ لائنیں تعمیر کی جائیں گی۔ امریکی کمپنیاں ابتدائی کام کے ذریعے کروڑوں ڈالر پہلے ہی کما چکی ہیں۔ بتایا جاتا ہے کہ امریکی ماہرین نے ایک لاکھ ڈالر سالانہ سے زیادہ تنخواہیں

وصول کرتے رہے۔ لیبیا اب اس منصوبے کی تکمیل کے لیے کوریا اور جاپان وغیرہ سے رجوع کر رہا ہے۔

امریکہ کی منافقت اور دوغلے پن کا اس سے واضح ثبوت کیا ہو سکتا ہے کہ لیبیا اور فلسطینیوں کے لیے تو اپنے حقوق کی حفاظت کرنا دہشت گردی کہلاتا ہے، لیکن اسرائیل کو پوری آزادی ہے کہ وہ بستیوں کی بستیاں مسمار کر دے، معصوم بچوں اور بے گناہ شہریوں کو ذبح کر دے۔ خود امریکہ اگر پُرامن شہریوں، بوڑھوں، بچوں اور عورتوں کو بمباری کا نشانہ بنائے تو یہ بھی دہشت گردی نہیں۔ عین انصاف ہے۔

لیبیا پر امریکی حملے کا دُنیا بھر میں شدید ردّ عمل ہوا۔ روس نے بھی اشک شوئی کے لیے مذمت کا بیان جاری کیا، لیکن ہمیشہ کی طرح روس نے اس مرتبہ بھی انتہائی مشکوک کردار ادا کیا۔ حسبِ سابق اس کا یہ دوغلا پن بے نقاب بھی ہو گیا۔ امریکی وزیر خارجہ نے یہ بیان دیا ہے کہ حملے سے پہلے امریکہ نے روس کے ناظم الامور کو اعتماد میں لیا تھا اور بتا دیا تھا کہ یہ حملہ لیبیا کی دہشت پسندی کے خلاف ہے۔ اس کے بعد یہ حقیقت بھی سامنے آ گئی کہ امریکی حملے سے پہلے رُوس نے اپنے جاسوسی کرنے والے جہاز خلیج سدرہ کے علاقے سے دُور ہٹا لیے تھے۔ کویتی اخبار "الرائے العالم" نے روس سے سوال کیا ہے کہ اگر لیبیا پر حملے میں اس کی امریکہ سے ملی بھگت نہ تھی تو پھر اُس نے پورا علاقہ امریکہ کے لیے خالی کیوں چھوڑ دیا تھا؟

یہ المناک حقیقت ہے کہ جہاں کچھ اسلامی ممالک امریکہ کی لابی میں شمار کیے جاتے ہیں، وہاں شام، الجزائر اور لیبیا وغیرہ رُوس کے حلقۂ اثر میں گنے جاتے ہیں، مگر جب بھی ان ممالک پر آزمائش آتی ہے امریکہ اور روس دونوں اپنے ان حلیفوں کے بجائے ان کے دشمنوں سے مل جاتے ہیں۔ امریکہ اُردن، عراق اور سعودی عرب وغیرہ کا "دوست" ہے، لیکن جنگ کے موقعے پر اُن کے ازلی دشمن اسرائیل کی پیٹھ ٹھونکتا نظر آتا ہے۔ اِدھر روس کا بھی یہی وطیرہ ہے۔ جنگ رمضان میں اس نے عین وقت پر شام کو ہتھیاروں کی سپلائی روک کر مسلمانوں کی پیٹھ میں چھرا گھونپا تھا۔ پھر یہ روس ہی ہے جو اسرائیل کو

افراد، قوت فراہم کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ آج بھی روسی یہودی دھڑا دھڑ اسرائیل آ رہے ہیں اور انہیں ملک چھوڑنے کا لازمی ٹیکس بھی معاف ہے۔

چند ماہ قبل یمن کی خوفناک خانہ جنگی میں روس کی فوج نے براہ راست حصہ لیا اور ہزاروں مسلمانوں کا خون بہایا۔ امریکہ اس واضح روسی مداخلت پر خاموش رہا۔ بالکل اسی طرح اب امریکہ نے لیبیا پر حملہ کیا تو روس خاموش رہا ہے۔ عین ممکن ہے کہ اس 'تعاون' کے بارے میں روس افغانستان میں اپنی جارحیت میں اضافہ کر دے اور امریکہ سے 'خاموشی' کا طالب ہو۔

صدر قذافی کی جذباتی انقلابیت اور سیمابی شخصیت سے لیبیا کے عوام کو خاصے نقصانات بھی اٹھانے پڑے ہیں۔ وہ روس کی تقلید میں اتنے آگے نکل آئے ہیں کہ واپسی کی راہیں بند نظر آتی ہیں۔ انہوں نے آنکھیں بند کر کے ملک کو روسی طرز کی اصطلاحات کے ذریعے ترقی دینے کی کوشش کی۔ قومی وسائل کو قومیانے کی سعی کی اور سپر مارکیٹوں کا قومی نظام بنایا جو بری طرح ناکام رہا۔ عام لوگ بنیادی اشیائے ضرورت سے محروم ہو گئے ہیں اور صاحب حیثیت لوگ بلیک مارکیٹ سے منہ مانگے داموں سے روزمرہ کی اشیاء خریدتے ہیں، چنانچہ گذشتہ دنوں یونیورسٹی، کالجوں کے دس ہزار طلبہ نے جو مظاہرے اور ہڑتالیں کیں، ان کا بنیادی سبب اشیائے ضرورت کی نایابی تھی۔ غرضیکہ لیبیا کو روس کی نقالی سے کچھ ہاتھ نہیں آیا۔ مگر وہ ہیں کہ پھر اسی سقا بچہ ("عطار کے لونڈے") پر انحصار کر رہے ہیں۔ امریکی حملے کے بعد لیبیا کے وزیر اعظم عبدالسلام جالود نے کہا ہے کہ اب ہمارے لیے واحد چارہ کار یہ رہ گیا ہے کہ روس کے ساتھ باقاعدہ معاہدہ کریں۔ آل انڈیا ریڈیو کے مطابق انہوں نے روس کو فوجی اڈے دینے کی پیش کش بھی کی ہے۔

گذشتہ برس امریکہ کے سابق صدر نکسن نے اپنے ایک مضمون میں روس کو تعاون کی جو پیش کش کی تھی اور جس میں لکھا تھا کہ امریکہ اور روس کو ہاتھ ملا کر لیبیا سے لے کر ایران تک پھیلی ہوئی اسلامی "دہشت گرد" تحریکوں کا مقابلہ کرنا چاہیئے، یہ بات کسی مجذوب کی بڑ نہ تھی۔ یہ امریکی ڈپلومیسی کے ایک اہم ستون، سابق امریکی صدر کا نہایت اہم بیان تھا۔

نکسن نے رُوس کو خبردار کیا تھا کہ "مسلم بنیاد پرستوں" سے اُسے امریکہ کی نسبت زیادہ خطرہ ہے کہ اسلام کے بڑھتے ہوئے اثرات تیسری دُنیا میں کمیونزم کے لیے خطرہ ہیں اور خود رُوس کی ایک تہائی آبادی مسلمان ہے، اس سے بھی رُوس کو تشویش ہونی چاہیے[1]

لیبیا پر امریکی حملے اور روسی خاموشی نے یہ اشارہ دے دیا ہے کہ اسلامی تحریکوں کو ختم کرنے، اسلامی ممالک کو یک بہ دگر بھڑانے اور اُن کی طاقت کو پارہ پارہ کرنے میں رُوس اور امریکہ ہاتھ ملا چکے ہیں۔ لیبیا، یمن اور افغانستان میں اس "تعاون" کی ابتدا ہو چکی ہے، اب یہ مسلمان مُلکوں اور اُن کے رہنماؤں کی بصیرت کا امتحان ہے کہ وہ باہم بل کر ایک قوت بنتے ہیں یا منتشر رہ کر دوسروں کے کاسۂ اور نشانۂ ستم!!

فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ

(۲) بھارت

بابری مسجد کو "مندر" لکھتے ہوئے کلیجہ منہ کو آتا ہے، لیکن ہندو شاونزم کی پرستار جماعتوں ہندو پریشد اور راشٹریہ سیوک سنگھ کو یہ کارنامہ انجام دے کر بھی قرار نہیں آیا۔ یہ تنظیمیں شمالی ہند کی تین سو مزید مساجد کی "ہٹ لسٹ" بنائے بیٹھی ہیں اور پورے بھارت میں تو ایسی مساجد کی تعداد ہزاروں میں ہے جن کو ہندو مستقبل کے مندر قرار دے رہے ہیں۔ خود بابری مسجد کا واقعہ بھی بھارت کی تاریخ میں انوکھا نہیں، اب تک سینکڑوں مساجد کے ساتھ ایسا ہو چکا ہے، لیکن بھارتی مسلمانوں کا احتجاج دبا دیا جاتا ہے یا کچھ عرصے تک چیخ چلا کر وہ خاموش ہو جانے کے سوا کچھ کر نہیں سکتے۔

بھارتی مسلمانوں نے چھان پھٹک کے بعد جو اعداد و شمار بتائے ہیں، اُن کے مطابق صرف

---

[1] تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو، ترجمان القرآن، دسمبر ۱۹۸۵ء۔

پنجاب اور ہریانہ کے صوبوں میں ایک ہزار سے زیادہ مساجد ایسی ہیں جن کو عبادت کے بجائے دوسرے مقاصد کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے ۔ بہت سی حکومت کے قبضے میں ہیں اور کوئی مسلمان وہاں نماز ادا کرنے کے لیے نہیں جا سکتا ۔ مغربی بنگال کے دارالحکومت کلکتہ کی پچاس سے زائد مساجد پر غیر مسلموں کا قبضہ ہے ، دو مسجدیں تو ایسی ہیں کہ وہاں مقامی کانگریس پارٹی کے دفاتر بنا دیئے گئے ہیں ۔ دہلی کی ۹۲ مساجد پر تخریب کاروں کا تسلط ہے اور سینکڑوں محکمہ آثار قدیمہ کے قبضے میں ہیں ۔ یہاں مسلمان نماز ادا نہیں کر سکتے ۔ اگرچہ پورے ملک کی ایسی مساجد کا مسلمانوں کے پاس کوئی ریکارڈ نہیں[1] جو غیر مسلموں کے قبضے میں ہیں یا حکومت کے کنٹرول میں ، لیکن سرسری سا جائزہ بھی یہ بتا سکتا ہے کہ ان کی تعداد ہزاروں میں ہے ۔

ہندو انتہا پسند تنظیموں کا مزید مساجد پر قبضے کا جو منصوبہ ہے ، اس کے جواز میں وہ یہ دعوٰی کرتے ہیں کہ یہ تمام مساجد ماضی میں مندر تھیں ، مغل بادشاہوں نے مندر گرا دیئے اور ان کے ملبے پر مساجد تعمیر کی گئیں ، لہٰذا ہندوؤں کا اب ان پر حق ہے کیونکہ اب بھارت کے حکمران وہ ہیں ۔

بھارت کے شمالی صوبے اتر پردیش کے تیرہ دیہات ایسے بھی ہیں ، جہاں مسلمانوں کو نہ تو کوئی نئی مسجد تعمیر کرنے کی اجازت ہے اور نہ یہاں موجود مساجد میں عبادت کرنے کی اجازت ۔ ضلع بریلی کے چھے گاؤں پرورہ ، مجھوا ، دیوچارہ ، بہاربہ اور تورگنجری — ضلع مراد آباد کی تین بستیوں لودھی پور ، برہان پور اور بدور اور ان کے علاوہ حسن پور ، محمد نگر اور اسلام نگر جیسی آبادیوں میں نئی مسجدیں تعمیر کرنے پر پابندی ہے ۔ میرٹھ کی مالاگون مسجد اور گورکھپور چھاؤنی کی مسجد میں نماز پڑھنے کی ممانعت ہے ۔ اتر پردیش کی ۲۶ مساجد کی فہرست راشٹریہ سیوک سنگھ کے پاس ہے ۔ یہ تنظیم ان کو شہید کر کے وہاں مندر تعمیر کرنا چاہتی ہے ۔

---

[1] ہماری آواز پہنچ سکے تو مسلمانانِ ہند کو تمام مساجد کی سروے رپورٹ تیار کر کے سامنے لانی چاہیے ۔ (ادارہ)

اب ذرا ان مساجد کی ایک جھلک ملاحظہ ہو جن پر بھارت کی متعصب سرکار کا قبضہ ہے اور وہ بضد ہے کہ چونکہ وہ تاریخی آثار ہیں اس لیے یہاں مسلمان نماز ادا نہیں کر سکتے:

	صوبہ	مساجد کی تعداد		صوبہ	مساجد کی تعداد
۱	آندھرا پردیش	۱۰	۷	مدھیہ پردیش	۱۵
۲	دہلی	۲۸	۸	پنجاب	۲
۳	گجرات	۱۱	۹	تامل ناڈو	۴
۴	ہریانہ	۶	۱۰	اتر پردیش	۱۱
۵	ریاست جموں و کشمیر	۲	۱۱	مغربی بنگال	۱۳
۶	کرناٹک	۱۶		میزان	۱۱۸

(۳) انڈونیشیا

انڈونیشیا میں مسلمانوں کو ہراساں کرنے، ان کے رہنماؤں اور ائمہ کو عدالتوں میں کھینچ کر لانے اور ان کی زبان بند کرنے کے لیے مختلف اقدامات کا سلسلہ جاری ہے۔ تازہ ترین واقعہ یونیورسٹی کے ایک استاد پروفیسر عبدالقادر جیلانی اور ان کے ساتھیوں کے خلاف مقدمہ ہے۔ ان حضرات کے خلاف بھی وہی الزامات ہیں: ع

کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

جناب عبدالقادر کے خلاف فرد جرم پیش کرتے ہوئے سرکاری وکیل نے کہا کہ انہوں نے بڑے بڑے اجتماعات میں لوگوں کو حکومت کے خلاف بغاوت پر اکسایا اور کہا کہ وہ قرآن و سنت کے منافی کوئی قانون قبول نہ کریں گے۔ چاہے وہ قانون پنچشیل (ریاست کے پانچ اصول) ہی کیوں نہ ہوں۔ سرکاری وکیل نے کہا کہ جناب عبدالقادر جیلانی نے ریاست کے قانون کے بارے میں کہا کہ وہ غیر فانی نہیں ہے، کیونکہ وہ لوگوں کا بنایا ہوا ہے اور تبدیل ہو سکتا ہے۔ سرکاری وکیل نے پروفیسر عبدالقادر پر مزید الزام یہ عاید کیا

کہ انہوں نے ایک بڑے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ "افغان باغیوں کی طرح اپنے لہو سے تاریخ لکھیں"۔

عبدالقادر جیلانی (عمر ۴۰ سال) نے جہاں یہ تسلیم کیا کہ وہ قرآن و سنت کے خلاف قوانین کو تسلیم نہ کرنے کی تلقین کرتے رہے ہیں، وہاں انہوں نے ہمیشہ یہ بھی کہا ہے کہ جو قوانین قرآن و سنت کے خلاف نہ ہوں اُن پر عمل کرنا چاہیے اور یہ بات سرکاری وکیل نے حذف کر دی ہے۔ مقدمے کے دوسرے ملزم اُسامہ پر الزام ہے کہ اُس نے ایسے نغمے ریکارڈ کرائے اور نغموں کے کیسٹ ہزاروں کی تعداد میں پھیلائے، جن میں لوگوں کو اسلام کی خاطر لہو نچھاور کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ ججوں کو اس فقرے پر سخت اعتراض تھا۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ خون کا عطیہ ریڈکراس کو دیا جاتا ہے نہ کہ اسلام کو۔۔۔۔ یہ مقدمات ابھی عدالت میں زیر سماعت ہیں۔

(۴) فلپائن

فلپائن کے آمر مارکوس کے زوال اور اکینو کے برسر اقتدار آجانے سے مورو مسلمانوں کے مستقبل کے بارے میں کچھ نئے امکانات اُبھرے ہیں۔ امکان ہے کہ مسلمانوں کے منتشر گروہ مشترکہ نصب العین کے لیے یک جا ہو جائیں۔ ہمارے خیال کے مطابق مسلمان قائدین کے لیے بہت زیادہ خوش فہمی میں مبتلا ہونے کا موقع نہیں، کیونکہ ۱۹۷۶ء میں ہونے والا معاہدۂ طرابلس انہیں ابھی تک یاد ہے۔ اس معاہدے میں مارکوس نے مورو محاذ آزادی سے وعدہ کر لیا تھا کہ اگر وہ جنگ روک دیں تو جنوب کے ۱۳ صوبوں پر مشتمل خود مختار اسلامی علاقہ بنایا جائے گا۔ جہاں مسلمان اپنے نمائندے براہ راست انتخابات کے ذریعے چن سکیں گے، ان کی اپنی حفاظتی فوج ہوگی، آزاد مالیاتی ادارے اور بنک ہوں گے اور تعلیم اور عدلیہ کے شعبوں پر ان کو کنٹرول حاصل ہوگا۔ لیکن جب اس معاہدے کے عملی نفاذ کا مرحلہ آیا تو حکومت مکر گئی۔ مارکوس ایک کے بجائے دو علیحدہ علاقے قائم کرنا چاہتا تھا اور ۱۳ کے بجائے ۱۰ صوبے دینے پر آمادہ تھا۔ اور حقوق و اختیارات کا دائرہ بھی معاہدے کے مقابلے میں محدود ہوتا۔ یہ پیش کش مورو مسلمانوں نے قبول نہ کی اور جنگ دوبارہ چھڑ گئی۔

چودہ برس کی مسلسل محاذ آزادی کے بعد مورو محاذ آزادی کے چیئرمین نور میسوری پہلی بار یہ کہتے سنائی دیئے ہیں کہ "وہ امن کے لیے ایک موقع پیدا کرنے کو تیار ہیں۔ ان کے قریبی دوستوں نے بھی کہا ہے کہ وہ آزادیٔ مطلق کے مطالبے سے دست بردار ہو کر علاقائی خود مختاری کے پرانے معاہدے کی تجدید پر بات کر سکتے ہیں۔ غالباً یہ تبدیلیٔ فکر اس بات کی غماز ہے کہ وہ اکینو سے بہتر توقعات رکھتے ہیں۔

مسز اکینو کو برسر اقتدار لانے میں جہاں فلپائن کے دوسرے عوام نے بے مثال جدوجہد کی، وہاں مسلمانوں نے بھی ان کا بھرپور ساتھ دیا۔ بہت سے مسلمان رہنما اکینو کے پرجوش سپورٹر رہے۔ ان کے لیے مظاہروں میں شریک ہوئے، ماریں کھائیں، زخمی ہوئے اور جیل گئے۔ اس لیے وہ بجا طور پر نئی حکومت سے مثبت اُمیدیں وابستہ کر رہے ہیں۔

مسز اکینو کی انتخابی جدوجہد کے دوران اُن کے حریف نے اُن پر یہ الزام بھی عاید کیا کہ وہ مسلمانوں کو ساتھ ملا کر انہیں مکمل آزادی دینے کی سازش کر رہی ہیں۔ اکینو نے اس الزام کی تردید کی، لیکن ان کے مقتول شوہر کے بھائی جز اکینو نے اعتراف کیا کہ جنوری میں اُن کے ساتھ باغی مسلمان لیڈروں کے مذاکرات ہوئے تھے۔ جز نے مسلمانوں کے لیے اپنے نیک جذبات کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

> "مسلمان نئوئے (مقتول اکینو) پر اعتماد کرتے تھے کہ اس نے اُن کی خاطر جدوجہد کی تھی۔ اپنی جلاوطنی کے دور میں وہ مسلمان لیڈروں سے ملتے رہے۔ مسلمانوں کا اکینو پر اعتماد مجھے وراثت میں ملا ہے..... وہ بھی ناانصافی کا شکار رہے ہیں۔ اب اس تاریخی نقصان کی تلافی کرنا ضروری ہے۔"

جز نے اس سلسلے میں مسلمان رہنماؤں سے کئی ملاقاتیں کی ہیں، تاکہ حکومتی سطح پر کسی حل تک پہنچنے سے پہلے کوئی قابلِ عمل راہ تلاش کر لی جائے۔ رکاوٹ دو اہم معاملات پر ہے۔ ایک تو عیسائی اکثریت کے جزیرے بلاوان کو مسلم اکثریت کے علاقے میں شامل کرنے سے عیسائی انتہا پسندوں کے شدید ردِ عمل کا سامنا ہے۔ دوسرے مسلمانوں کے لیے ان کی اپنی سیکورٹی فورس کا قیام۔ جو فلپائن کی مسلح افواج کے لیے ناقابلِ قبول ہے۔

ایک مشکل یہ ہے کہ فلپینی مسلمانوں کے حقوق کی جنگ لڑنے والے آزادی پسند تین گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ بڑے گروپ کے قائد نور میسوری کو اسلامی کانفرنس نے تسلیم کیا ہے۔ دوسرے دو گروپوں کے قائدین ہاشم اور عباس ہیں۔ نئے دور میں داخل ہونے کے بعد ان کے درمیان اختلافات کم ہونے کے امکانات بڑھ گئے ہیں۔ اگرچہ اُن کے مابین مسابقت اور اپنے گروپ کے مجاہدین کی تعداد کے سلسلے میں کیے جانے والے مبالغہ آمیز دعووں میں کمی نہیں آئی، لیکن حکومت سے مذاکرات کے سلسلے میں وہ مشترکہ لائحہ عمل اختیار کرنے پر آمادہ نظر آتے ہیں۔ مورو مسلمانوں کی سب سے بڑی کمزوری اُن کا سیاسی انتشار اور غیر منظم ہونا ہے۔ ان کے مقابلے میں عیسائی کہیں کہیں اقلیت میں ہونے کے باوجود زیادہ منظم اور زیادہ پڑھے لکھے لوگوں پر مشتمل ہیں۔ مثال کے طور پر جولو جزیرے میں نوّے فیصد تعداد مسلمانوں کی ہے لیکن وہ غیر منظم ہیں جب کہ دس فیصد کیتھولک چرچ کے نام لیوا منظم ہیں۔ پھر مسلمانوں کے بچے عیسائیوں کے کالجوں اور اسکولوں میں تعلیم حاصل کرتے ہیں۔

مورو مسلمان اس صورتِ حال سے کب آزاد ہوں گے؟ اس کا جواب تو مستقبل ہی دے گا البتہ یہ بات یقینی نظر آتی ہے کہ حکومت کو ان کے حقوق لوٹانے ہوں گے، ورنہ اُن کی جدوجہد آزادی کے نئے دور کا سامنا کرنا ہوگا۔ ابوالخیر الونتو جو ماضی میں مورو مسلمانوں کے اہم قائد رہے ہیں۔ اس کے بعد مارکوس کے حامی بنے، پھر اس کی وعدہ خلافی سے متنفر ہو کر مجاہدین سے جا ملے۔ مستقبل کے بارے میں اُن کی یہ رائے صائب معلوم ہوتی ہے:

> "اب یہ اکینو پر ہے کہ وہ اپنے اخلاص کو ثابت کریں۔ صرف صباح میں دو لاکھ سے زیادہ مسلم مہاجرین موجود ہیں۔ ان کی اکثریت نوجوانوں پر مشتمل ہے اور یہ لوگ جنگ میں پروان چڑھے ہیں۔ یہ کسی مصالحت کے لیے تیار نہ ہوں گے اگر مسئلہ سیاسی طور پر حل نہ ہوا تو قومی محاذِ آزادی کے لیے رنگروٹوں کی بھرتی بھی کوئی مسئلہ نہیں۔"